ریاست: سراب اور حقیقت

مضامین کا مجموعہ: معاشی سلامتی، دفاعی انقلاب اور بنارس کے ٹھگوں کا نوحہ



ابو حیان سعید

"صرف حقائق کے متلاشی قارئین کے لیے"

دیباچہ: حرفِ آغاز

انٹرنیٹ کی اس تیز رفتار دنیا میں، جہاں معلومات کا سیلاب ہے اور سچائی کہیں گرد میں دبی ہوئی ہے، یہ مضامین محض الفاظ کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک نوحہ بھی ہیں اور ایک انتباہ بھی۔ زیرِ نظرمجموعہ ان تحریروں پر مشتمل ہے جو سنہ 2026 کے ان کٹھن حالات میں لکھی گئیں جب پاکستان اپنی بقا اور شناخت کی ایک نئی جنگ لڑ رہا تھا۔

اس مجموعے کا نام اگر **"سراب اور حقیقت"** رکھا جائے تو بے جا نہ ہوگا، کیونکہ ان مضامین میں اقتدار کے ایوانوں سے لے کر جی ایچ کیو کی راہداریوں تک، اور معیشت کے گرتے ہوئے گراف سے لے کر عام آدمی کی خالی جیب تک، ہر اس پہلو کو بے نقاب کیا گیا ہے جسے عام طور پر "قومی مفاد" کی چادر میں چھپا دیا جاتا ہے۔

اس مجموعے کے اہم ستون:

معاشی سرجری: یہاں صرف تنقید نہیں بلکہ "بندوق سے ٹریکٹر تک" جیسے انقلابی حل پیش کیے گئے ہیں، جو بتاتے ہیں کہ کس طرح عسکری ڈسپلن کو زراعت کے ذریعے معاشی ڈھال بنایا جا سکتا ہے۔

تاریخی موازنہ: سوویت یونین کے زوال اور پاکستان کی موجودہ معاشی دلدل کا وہ تقابل، جو شاید آج کے مقتدر حلقوں کو ناگوار گزرے، مگر تاریخ کے طالب علموں کے لیے ایک روشن اشارہ ہے۔

اشرافیہ کا نوحہ: بنارس کے ٹھگوں سے لے کر موجودہ دور کے "محسنینِ ملت" تک، ان کرداروں کا پوسٹ مارٹم کیا گیا ہے جو ریاست کو ایک چراگاہ سمجھ کر چر رہے ہیں۔

تلخ بیانیہ: ان تحریروں میں طنز کی کاٹ بھی ہے اور حقائق کا زہر بھی۔ یہ ان لوگوں کے لیے ہیں جو "سب اچھا ہے" کے لوریاں سن کر سونے کے بجائے جاگنے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔

یہ تحریریں کسی خاص سیاسی جماعت یا گروہ کی وکالت نہیں کرتیں، بلکہ یہ ایک محقق اور قلم کار کی وہ آواز ہے جو پاکستان کو قرضوں، بھیک اور انتظامی نااہلی کے اس بھنور سے نکلتا دیکھنا چاہتا ہے جہاں اسے اپریل 2026 میں لا کھڑا کیا گیا ہے۔

آن لائن پلیٹ فارم پر اس مجموعے کو پیش کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ یہ آواز ہر اس پاکستانی تک پہنچے جو سوچنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور جو یہ سمجھتا ہے کہ ریاست کی اصل طاقت ایٹمی میزائلوں میں نہیں بلکہ ایک مستحکم معیشت اور خوشحال عوام میں پنہاں ہے۔

امید ہے کہ یہ مضامین آپ کو صرف پڑھنے پر نہیں، بلکہ سوچنے اور سوال کرنے پر بھی مجبور کریں گے۔

ابو حیان سعید

28 اپریل 2026

بندوق سے ٹریکٹر تک:

پاکستان کی دفاعی قوت اور زرعی انقلاب

ابو حیان سعید

25 مارچ 2026

وجہ تحریر : چند روز قبل اپنی روٹین کی پریس بریفنگ میں ڈی جی آئ ایس پی آر نے فرمایا کہ ٹی وی چینلز اس ایشو پر بات کیوں نہی کرتے کہ ھماری موجودہ آبادی 25 کروڑ سے زائد ھے یہ آبادی چالیس لاکھ سالانہ کے حساب سے بڑھ رھی تو فوڈ سیکورٹی اور زراعت میں اضافے کے لیئے پاکستان میں کوئ بات نہی کرتا بلکہ پورا ملک فوج کے بارے میں بات کرتا رہتا ھے ۔ ویسے تو میں ڈی جی سر کی پریس بریفنگ نہی سنتا لیکن اس روز کوئ نئ کتاب پڑھنے کے لیئے یا نئ فلم دیکھنے کو دل نہی کر رھا تھا اور اپنی ایک نا گفتہ ٹویٹ پر امریکی سیکرٹری آف اسٹیٹ سے براہ راست اچھی خاصی جھاڑ کھا کر دماغ سڑا ھوا تھا تو میں نے دل بہلانے کے لیئے ڈی جی سر کی بریفنگ کی ریکارڈنگ دیکھی بھی اور غور سے سنی بھی۔ سمجھ میں یہ آیا کہ ڈی جی سر بھئ عام مردوں کی طرح قابل رحم مخلوق ھیں جو گھر کا غصہ باھر نکال سکتے ھیں باقی ان کا حال بھی اپنے باس جیسا ھی ھے -- بہرحال ڈی جی سر کی فرمائش ھے کہ فوڈ سیکورٹی اور زراعت میں اضافے کے موضوع پر بات کی جائے ۔ تو جی بسم اللہ کرتے ھیں ساتھ میں جان کی امان بھی چاہتے ھیں کہ چند ھی سالوں میں ساٹھ سال کے ھو کر سٹھیا ھی جانا ھے تو اس سے پہلے پہلے کچھ ہوش کی باتیں کر لی جائیں ۔

میری ایک بہت بری عادت ھے کہ جب کسی زندہ شخصیت کے بارے میں کچھ لکھنا ھو تو اس کا پورا کا پورا ڈال باش یعنی اس کے پوتڑے تک کھنگال نہ لوں بات شروع نہی کرتا ۔ امریکی سیکرٹری آف اسٹیٹ جب کالج میں تھے تو ایک نیگرو کالج فیلو پر پھبتیاں کسا کرتے تھے ایک دن اس نیگرو نے ان کو اچھا خاصا دھویا تو یہ پورے ایک ماہ کالج ھی نہی جا سکے اور گھر پر ھی دودھ ھلدی اور ٹکور کرواتے رھے ۔ نیگرو نے اچھی خاصی ٹھاپ ٹھوپ کر دی تھی تو میں نے ایران کے حوالے سے نیگرو کا واقعہ یاد دلایا تو انھوں نے براہ راست مخاطب کر کے ملاحیاں سنائیں ۔ بہر حال اس قصے کی

تفصیل پھر کھبی سناؤں گا ۔ ابھی تو ڈی جی سر کی فوڈ سیکورٹی اور زراعت میں اضافے پر بات کرتا ھوں ۔۔

پاکستان اس وقت اپنی تاریخ کے نازک ترین موڑ پر کھڑا ہے۔ ایک طرف عالمی منظرنامے میں ایران اور اسرائیل کی ممکنہ جنگ سے سپلائی چین کے ٹوٹنے اور "بارٹر سسٹم" کی واپسی کا خطرہ ہے، تو دوسری طرف داخلی طور پر ہم معاشی دیوالیہ پن کی دہلیز پر ہیں۔ ایسے میں روایتی حکمت عملیوں سے ہٹ کر ایک انقلابی قدم وقت کی ضرورت ہے: **پاکستان کی 10 لاکھ عسکری نفری میں سے کم از کم نصف کو مکمل طور پر زراعت کے شعبے میں منتقل کرنا لازمی ھے ۔**

دفاع کا نیا تصور: فوڈ سیکیورٹی

جدید دور میں جنگیں بارود سے زیادہ معیشت کے میدان میں لڑی جاتی ہیں۔ اگر ایک ملک اپنے عوام کا پیٹ بھرنے کے لیے آئی ایم ایف یا غیر ملکی امداد کا محتاج ہے، تو اس کے ٹینک اور میزائل اس کی خودمختاری کا تحفظ نہیں کر سکتے۔ 10 لاکھ فوج اور رینجرز کی کم از کم آدھی نفری کو "ایگری فورس" میں بدلنا درحقیقت پاکستان کے دفاع کو ناقابلِ تسخیر بنا دے گا ۔ جب دشمن کو معلوم ہوگا کہ یہ ملک غذائی طور پر خود کفیل ہے، تو معاشی پابندیوں کے ہتھیار بے اثر ہو جائیں گے اور ویسے بھی بھارت کے لیئے ھماری جانباز ائیرفورس ھی کافی ھے اور افغانستان کے لیئے تو دو جہاز ھی بہت ھیں۔ عام پاکستانیوں کو شاید علم نہی ھو گا کہ" پاکستان ائیر فورس " خواب میں بھی بھارتیوں کو ڈراتی ھے۔ ۔

بنجر زمینوں کی آباد کاری اور افرادی قوت کا استعمال

پاکستان میں کروڑوں ایکڑ اراضی بنجر پڑی ہے جس کی بنیادی وجہ لاجسٹکس اور افرادی قوت کی کمی ہے۔ فوج کے پاس موجود انجینئرنگ کور، ہیوی مشینری اور بے پناہ ڈسپلن اس زمین کو سونا اگلنے کے قابل بنا سکتا ہے۔

منظم محنت:5 لاکھ تربیت یافتہ افراد اگر جدید ٹیکنالوجی کے ساتھ کھیتوں میں اتریں، تو کارپوریٹ فارمنگ کے ذریعے پیداوار کو عالمی معیار پر لایا جا سکتا ہے۔

پانی کی مینجمنٹ: نہری نظام کی صفائی اور نئے چھوٹے ڈیموں کی تعمیر فوجی نگرانی میں کم وقت اور شفافیت کے ساتھ مکمل کی جا سکتی ہے۔

معاشی اثرات: 15 سے 20 ارب ڈالر کا سالانہ فائدہ

عشروں سے پاکستانی حکمران امریکہ ، عربوں ، آئ ایم ایف کے سامنے کشکول لیئے گڑگڑاتے رہتے ھیں آئ ایم ایف تین چار سو ملین ڈالر کا قرضہ دے دے تو پاکستانی وزرا خزانہ قوم کو بھیک ملنے پر مبارکبادیں دیتے نظر آتے ھیں کوئ وزیر خزانہ ایک ڈیڑھ ارب ڈالر کا پیکج منظور کر وا لے تو اس کو تاریخ کے کامیاب ترین انسان کا خطاب دیا جاتا ھے اور سول ایوارڈ سے نوازا جاتا ھے ۔ لاکھوں کی فوج میں سے نصف کو بھی زرعی مقاصد کے لیئے وقف کیا جاۓ تو پاکستان کے دن پھر جائیں گے ۔

اگر اس تجویز پر عمل کیا جائے تو پاکستان کا نقشہ بدل سکتا ہے:

درآمدات کا خاتمہ: گندم، دالوں اور خوردنی تیل کی درآمد پر خرچ ہونے والے 8 سے 10 ارب ڈالر فوری طور پر بچائے جا سکتے ہیں۔

برآمدات میں اضافہ: مشرقِ وسطیٰ اور وسطی ایشیا کی منڈیوں میں حلال گوشت اور ڈیری مصنوعات برآمد کر کے مزید 5 سے 7 ارب ڈالر کمائے جا سکتے ہیں۔

مہنگائی کا توڑ: جب پیداواری لاگت کم ہوگی اور مڈل مین کا کردار ختم ہوگا، تو عوام کو سستی خوراک ملے گی، جس سے ملک میں سماجی استحکام آئے گا۔

سیاسی اور سماجی تبدیلی

پاکستان کی موجودہ سیاسی قیادت کے بارے میں عوامی تاثر انتہائی منفی ہے۔ عوام موجودہ نظام کو ایک ایسا ڈھانچہ سمجھتے ہیں جو صرف اشرافیہ کے مفاد میں کام کرتا ہے۔ فوج کو زراعت پر مامور کرنے سے نہ صرف سیاسی مداخلت کا تاثر ختم ہوگا بلکہ فوج کی اپنی ساکھ میں بھی اضافہ ہوگا کیونکہ وہ براہِ راست عوامی فلاح اور ملکی بقا کے کام میں جت جائے گی۔

عالمی جنگ اور بارٹر سسٹم کی تیاری

اگر ایران کا محاذ طویل ہوتا ہے اور عالمی کرنسی کا نظام متاثر ہوجاۓ گا، تو دنیا "مال کے بدلے مال" کی تجارت کی طرف لوٹ جائے گی۔ ایسی صورتحال میں وہ ملک سب سے طاقتور ہوگا جس کے پاس گندم، چاول اور دیگر اجناس کا ذخیرہ ہوگا۔ پاکستان اپنی

اس5 لاکھ کی نفری کے ذریعے دنیا کی "اناج کی ٹوکری" بن سکتا ہے، جس کے بدلے ہم تیل اور دیگر توانائی کی ضروریات پوری کر سکیں گے۔

حاصلِ کلام

"معاشی دفاع" (Economic Defense) ہی اصل دفاع ہے۔ ایک ایسا ملک جو اپنی خوراک کے لیے دوسروں کا محتاج ہو، وہ کبھی خود مختار نہیں ہو سکتا۔ فوج کو زراعت پر لگا کر کم از کم درآمدی بل (Import Bill) میں اربوں ڈالر کی بچت کی جا سکتی ہے۔پاکستان ہر سال تقریباً8 سے 10 ارب ڈالر صرف زرعی اشیاء (خوردنی تیل، گندم، کپاس، دالیں) درآمد کرنے پر خرچ کرتا ہے۔

اگر یہ 5 لاکھ لوگ صرف ان اشیاء کی مقامی پیداوار کو یقینی بنائیں، تو سالانہ تقریباً 2500 سے 3000 ارب روپے کی بچت ہو سکتی ہے جو کہ براہ راست قومی خزانے میں رہے گی۔

بنجر زمینوں کی آباد کاری

پاکستان میں لگ بھگ 90 لاکھ ہیکٹر (تقریباً 2 کروڑ 20 لاکھ ایکڑ) زمین ایسی ہے جو کاشت کے قابل ہے لیکن بنجر پڑی ہے۔

اگر فوج کے ڈسپلن اور انجینئرنگ وسائل سے اس کا صرف آدھا حصہ بھی آباد کر لیا جائے اور وہاں فی ایکڑ اوسطاً 50 ہزار روپے کا منافع بھی حاصل ہو، تو یہ سالانہ 500سے 600ارب روپے کی اضافی آمدن بنتی ہے۔

لائیوسٹاک اور ڈیری سیکٹر

اگر اس نفری کا ایک حصہ جدید ڈائری فارمنگ اور گوشت کی برآمد (Export) پر لگایا جائے . دنیا میں حلال گوشت کی مارکیٹ اربوں ڈالر کی ہے۔ پاکستان اس شعبے سے سالانہ 3 سے5 ارب ڈالر اضافی کما سکتا ہے، بشرطیکہ سپلائی چین فوجی نظم و ضبط کے ساتھ چلائی جائے۔

مجموعی مالیاتی تخمینہ

اگر ان تمام عوامل کو جمع کیا جائے، تو یہ تجربہ پاکستان کو سالانہ مجموعی طور پر 15 سے 20 ارب ڈالر (تقریباً 4200 سے 5600 ارب روپے) کا معاشی فائدہ پہنچا سکتا ہے۔

یہ رقم پاکستان کے موجودہ دفاعی بجٹ سے کہیں زیادہ ہے اور آئی ایم ایف کے حالیہ قرضوں سے کئی گنا بڑی ہے۔ یعنی فوج اپنی "وار مشینری" کو "ایگری مشینری" میں بدل کر نہ صرف اپنا خرچہ خود اٹھا سکتی ہے بلکہ پورے ملک کا قرضہ اتارنے کی سکت بھی رکھ سکتی ہے

نتیجہ: اگر اس وژن کو حقیقت کا روپ دے دیا جائے تو پاکستان کی معیشت کا حجم چند سالوں میں دگنا ہو سکتا ہے۔ یہ5 لاکھ لوگ صرف "فوجی" نہیں رہیں گے بلکہ **"معاشی سپاہی"** بن جائیں گے جو بندوق کے بجائے اناج سے ملک کا دفاع کریں گے۔

وقت آ گیا ہے کہ ہم اپنی ترجیحات کو تبدیل کریں۔ 10 لاکھ نفری کو سرحدوں پر ایک ایسے دشمن کے انتظار میں بٹھائے رکھنے کے بجائے جو اب ہائبرڈ وار فیئر پر اتر آیا ہے، انہیں معاشی سرحدوں کی حفاظت پر لگایا جائے۔ بندوق چھوڑ کر ٹریکٹر استعمال کرنا کمزوری نہیں بلکہ ایک ایسی حکمت عملی ہے جو پاکستان کو کشکول سے نجات دلا کر ایک حقیقی عالمی طاقت بنا سکتی ہے۔

اگر ہم نہ ہوتے: بنارس کے ٹھگ اور "محسنینِ ملت" کا نوحہ

ابو حیان سعید

یکم اپریل 2026

دنیا بھر میں یکم اپریل کو لوگ ایک دوسرے کو بے وقوف بنا کر "اپریل فول" مناتے ہیں، لیکن برصغیر، بالخصوص پاکستان کے طول و عرض میں یہ فریضہ کسی ایک دن کا محتاج نہیں رہا۔ یہاں کے عوام کو "فول" بنانے کا عمل ایک مستقل قومی پالیسی کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ کچھ سال پہلے بھارتی میڈیا کی ایک خبر نظر سے گزری کہ وہاں ایک لیفٹیننٹ جنرل کو محض 25 ہزار روپے کی خرد برد پر کورٹ مارشل کر کے گھر بھیج دیا گیا۔ پاکستان میں یہ خبر کسی لطیفے سے کم نہ تھی اور بھارتی جرنیلوں کو چندی چور کہا گیا ۔

مراعات کا قبرستان اور اشرافیہ کا جشن

بھارت میں نہ کوئی ڈی ایچ اے (DHA) ہے، نہ ریٹائرمنٹ کے بعد پلاٹوں کی برسات، نہ مفت بجلی کے ہزاروں یونٹ ، نہ ہزاروں لیٹر مفت پیٹرول اور مفت گاڑیاں اور نہ ہی تاحیات نوکر چاکر اور پروٹوکول۔ وہاں کا جرنیل ریٹائر ہو کر گمنامی کی زندگی گزارتا ہے، جبکہ ہمارے ہاں ریٹائرمنٹ دراصل "دوسری بادشاہت" کا آغاز ہوتی ہے۔ پاکستان میں اگر سی ایس ایس (CSS) کے امتحان میں سابقہ آرمی چیفس کی "کارکردگی" پر سوال آ جائے تو امیدوار پوری کتاب لکھ ڈالیں، جبکہ سرحد پار کے طلبہ کو شاید اپنے سابقہ سربراہوں کے نام تک یاد نہ ہوں۔ یہ فرق صرف اخلاقیات کا نہیں، بلکہ اس "اشرافیہ کلچر" کا ہے جس نے ریاست کو ایک ایسی چراگاہ بنا دیا ہے جہاں عوام کا کام صرف گھاس پیدا کرنا اور اشرافیہ کا کام اسے چرنا ہے۔

بنارس کے ٹھگ: ایک تاریخی تقابل

بنارس کے ٹھگوں کی ایک قدیم لوک داستان آج کے حالات پر صادق آتی ہے۔ کہتے ہیں ایک یورپی سیاح اپنی جیب میں ہیرے ڈال کر بنارس پہنچا تاکہ وہاں کے جیب کتروں کی مہارت آزما سکے۔ تین دن گھومنے کے بعد جب کوئی اسے لوٹ نہ سکا تو وہ ٹھگوں

کے سردار کے پاس جا کر طعنہ دینے لگا کہ "تمہارے کارندے نکمے ہو چکے ہیں"۔ سردار نے جب ٹھگوں کی سرزنش کی تو وہ ہنس کر بولے:

> **"گرو جی! ہم نے اسے تین دن میں تیس بار لوٹا، مگر ہر بار ہیرے نکال کر دیکھے تو وہ نقلی نکلے، اس لیے شرمندگی کے مارے واپس رکھ دیے۔"**

آج کے پاکستانی حکمرانوں اور بنارس کے ان ٹھگوں میں صرف ایک بال برابر فرق ہے۔ بنارس کے ٹھگ تو نقلی ہیرے دیکھ کر واپس رکھ دیتے تھے، مگر ہمارے "قومی محسنین" ہماری جیب سے اصلی ہیرے نکالنے کے بعد بھی ہمیں یقین دلاتے ہیں کہ انہوں نے ہم پر احسان کیا ہے۔

"احسان مندی" کا بیانیہ

آج کا پاکستان ایک ایسا عجائب گھر بن چکا ہے جہاں ہر تباہی کو ایک "کامیابی" بنا کر بیچا جاتا ہے۔

- پٹرول کی قیمتیں آسمان کو چھوئیں تو کہا جاتا ہے: "شکر کرو، اگر ہم نہ ہوتے تو یہ 700 روپے لیٹر ہوتا۔"
- گیس غائب ہو جائے تو سننے کو ملتا ہے: اگر ہم نہ ہوتے تو تمہیں گیس کون دیتا
- بجلی کا بل غریب کی تنخواہ سے تجاوز کر جائے تو دلیل دی جاتی ہے: "اگر ہم نہ ہوتے تو اندھیرا ہوتا، بھارت میں تو بجلی نایاب ہے۔"
- معیشت چینیوں عربوں سے بھیک مانگ مانگ کر وینٹی لیٹر پر آ جائے تو نعرہ لگتا ہے: "ملک ڈیفالٹ ہونے والا تھا، ہم نے اپنی سیاست قربان کر کے ریاست بچا لی۔"

یعنی جو کچھ برا ہو رہا ہے، وہ "سابقہ حکومتوں" یا "تقدیر" کا لکھا ہے، اور جو تھوڑی بہت سانسیں باقی ہیں، وہ ان مقتدر ٹھگوں کا صدقہ ہیں۔

تلخ حقیقت

بنارس کے ٹھگوں میں کم از کم یہ پیشہ ورانہ غیرت تھی کہ وہ لوٹنے کے بعد خاموش رہتے تھے، مگر یہاں تو لوٹنے والا ہی مصلح بن کر سامنے کھڑا ہو جاتا ہے۔ ہمیں لوٹا

بھی جا رہا ہے، ہماری جیب سے روٹی کا آخری نوالہ بھی چھینا جا رہا ہے، اور ساتھ ہی یہ درس بھی دیا جا رہا ہے کہ "ہم تم پر احسان کر رہے ہیں"۔

سچ تو یہ ہے کہ اگر یہ "محسنین" اپنی حدود میں ہوتے، تو شاید ہم اس سے زیادہ "محفوظ" بھی ہوتے، اور یقیناً اتنے "بدحال" بھی نہ ہوتے۔ بنارس کے ٹھگوں کا قصہ تو پرانا ہوا، اب تو تاریخ میں "پاکستانی ٹھگوں" کی داستانیں لکھی جائیں گی جو جیب بھی کاٹتے ہیں اور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر "شکریہ" کی توقع بھی رکھتے ہیں ۔

سوویت یونین کا زوال اور پاکستان کی معاشی صورتحال: ایک موازنہ

ابو حیان سعید

11 اپریل 2026

وجہ تحریر : اس موازنے کی ضرورت کیوں پیش آئ ؟ یہ سوال کوئ بھی کر سکتا ھے ۔ میرا جواب دو ٹوک ھے کہ میں آج 2026 میں یہ نہی چاہتا کہ 2040 میں اس معمے پر درجنوں لا حاصل تحقیقی مقالے اور کتب لکھی جائیں کہ " سوویت یونین اور پاکستان کی تباھی کی اصل وجوھات کیا تھیں ؟"۔ حالانکہ سویت یونین کے دانشور اپنے خاتمے یعنی 1985 سے برسوں پہلے یعنی 1965 ~1980 میں یہ بات اپنی تحریروں میں مستقل بتا رھے کہ سوویت یونین اپنے بدترین انجام کی طرف تیزی سے بڑھ رھا ھے لیکن اس وقت کی سوویت قبضہ گیر،جابر اور مائل بہ جنگ قیادت کو یہ سمجھا نے میں ناکام رھے کہ ھم تباھی کی جانب تیزی سے بھاگ رھے ھیں اور اس کا تدارک کیا جائے لیکن وسائل ،طاقت،اختیار چونکہ ریاست کے قبضے میں ھوتے ھیں تو ریاست خود کو عقل کل سمجھ کر ان باتوں پر توجہ نہی دیتی بلکہ ان افراد کو ریاست کا دشمن ھونے کا پروپیگنڈہ بھی دل و جان سے کرتی ھے ۔

سوویت یونین اور پاکستان کی معاشی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات حیرت انگیز طور پر سامنے آتی ہے کہ دونوں کے زوال یا بحران کے اسباب میں گہری مماثلت پائی جاتی ہے۔ اگرچہ ایک سپر پاور تھی اور دوسرا ایک ترقی پذیر ایٹمی ملک، مگر دونوں نے ایک جیسے "ساختیاتی گڑھوں" (Structural Traps) میں گر کر اپنی معیشتوں کو نقصان پہنچایا۔

تاریخ کا یہ سبق انتہائی تلخ ہے کہ ریاستیں صرف بیرونی حملوں سے نہیں، بلکہ اندرونی معاشی کھوکھلے پن اور انتظامی نااہلی سے ٹوٹتی ہیں جس میں پاکستان بہ حیثیت ریاست اپنے عروج پر ھے ۔ سوویت یونین کی مثال بیسویں صدی کا سب سے بڑا عبرت ناک واقعہ ہے، جہاں ایک ایٹمی سپر پاور اپنے معاشی بوجھ تلے دب کر بکھر گئی۔ آج پاکستان جس معاشی دوراہے پر کھڑا ہے، وہاں سوویت یونین کے زوال کے اسباب کا موازنہ کرنا ناگزیر ہو چکا ہے۔

1. معیشت بمقابلہ دفاعی بوجھ

سوویت یونین نے اپنی جی ڈی پی کا بہت بڑا حصہ امریکہ کے ساتھ اسلحے کی دوڑ اور خلائی مہم جوئی میں صرف کیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ملک کے پاس سینکڑوں ایٹمی میزائل تھے ، لاکھوں ٹینک اور توپیں ، ساتھ ھی ہزاروں جرنیلوں کی نفری میڈلوں سے لبریز یونیفارمز میں موجود تھیں اور سوویت یونین خلا میں بھی گھوم پھر رھا تھا، لیکن عوام کے لیے آٹا اور بنیادی ضرورت کی اشیاء نایاب ہو گئیں۔ پاکستان میں بھی صورتحال اس سے مختلف نہیں ۔ وفاق پاکستان نے ایک عجب کام یہ کیا کہ صوبوں کی ناز برداری ایسی شروع کر دی کہ معیشت میں بھونچال برپا ہو گیا اس ناز برداری کا نام ساتواں این ایف سی ایوارڈ ھے جس میں صوبوں کو اتنا پیسہ دیا گیا کہ وفاق خود کنگال ہو گیا۔

این ایف سی ایوارڈ میں صوبوں کے ناز نخرے اٹھانے کے بعد وفاقی بجٹ کا بڑا حصہ قرضوں کی سود ادائیگی اور دفاعی اخراجات میں چلا جاتا ہے، جس سے وفاقی معاملات کے لیے وسائل نہ ہونے کے برابر بچتے ہیں بلکہ جدید دور کی ڈائن آئ ایم ایف سے قرضوں کی بھیک مانگنا پڑ جاتی ھے اور جناب آئ ایم کی شرائط تو شادی سے قبل محبوبہ کی شرائط سے بھی سخت ھوتی ھیں ۔

2. اشرافیہ کا قبضہ (Nomenklatura vs Elite Capture)

سوویت یونین میں "کمیونسٹ پارٹی" کی اشرافیہ عام عوام کے وسائل پر عیش کرتی تھی، جسے 'نومین کلیٹورا' کہا جاتا تھا۔ پاکستان میں بھی ایک مخصوص طبقہ جس میں سیاسی خاندان، مقتدرہ (فوج کہتے ہوئے لوگوں کو بڑا ڈر لگتا ھے اسلیئے منافقت کرتے ہوئے مقتدرہ کہہ دیتے ھیں)، مذہبی مافیا اور بڑے زمیندار شامل ہیں ملکی وسائل اور ٹیکسوں کی مراعات پر قابض ہے۔ جب مراعات یافتہ طبقہ ملک کو لوٹ رہا ہو اور عام آدمی مہنگائی کی چکی میں پس رہا ہو، تو ریاست اور عوام کا تعلق ٹوٹ جاتا ہے، جو کسی بھی ملک کی بقا کے لیے خطرناک ترین مرحلہ ہوتا ہے۔

3. وفاقی اکائیوں کے درمیان مالیاتی تناؤ

سوویت یونین اور پاکستان کے معاشی ماڈل میں زمین آسمان کا فرق ھے سوویت یونین میں معاشی معاملات مرکز کی زنجیروں میں بندھے ہوئے تھے اس لیئے سوویت وفاق تباہ ہوگیا جبکہ پاکستان میں وفاق نے این ایف سی ایوارڈ میں صوبوں کو اتنا زیادہ پیسہ دے ڈالا ھے کہ صوبے لوٹ مار کا گڑھ بن گئے ھیں اور وفاق فقیر بن گیا ھے وفاق اپنی

آمدنی کا 57 فیصد سے زیادہ صوبوں کو دے دیتا ھے اور صوبوں میں قائم حکومتیں وہ پیسے عوام پر لگانے کی بجائۓ کھا جاتی ھیں اور یہ اربوں ڈالر ان صوبائ حکومتوں کی لوٹ مار کی نذر ھو جاتا ھے ۔ ایک طرف انتہائ سخت مرکزی نظام دوسری طرف کھلی آزادی ۔ تباھی تو آنی ھی آنی ھے ۔

سوویت یونین کی وسطی ایشیائی ریاستوں اور بالٹک ریاستوں کو یہ گلہ تھا کہ ان کے وسائل ماسکو چھین لیتا ہے یا غلط تقسیم کرتا ہے۔ پاکستان میں یہی بحث **این ایف سی (NFC) ایوارڈ** کے گرد گھومتی ہے۔ وفاق کا یہ موقف ہے کہ وہ دیوالیہ ہو رہا ہے کیونکہ زیادہ پیسہ صوبوں کو جا رہا ہے، جبکہ صوبوں کا الزام ہے کہ مرکز انہیں ان کے حقوق نہیں دیتا۔ (پاکستان میں دو بڑے صوبوں سے بڑا جھوٹا اور فراڈی پوری کائنات میں کوئ نہی ھے خاص طور پر سندھ این ایف سی ایوارڈ کا ھزاروں ارب ڈکار جاتا ھے اور عوام کو ککھ بھی نہی ملتا ، پڑھے لکھے لوگوں کو پاکستانی روپے میں بات سمجھ نہی آتی اس لیئے میں ڈالر میں بتا دیتا ھوں کہ سندھ کو گذشتہ کئ سالوں سے این ایف سی ایوارڈ میں 14 ارب ڈالر سے زیادہ فنڈ مل رھے ھیں ، کتنے مل رھے ھیں 14 ارب ڈالر ھر سال ۔ یعنی سندھ کو2010 سے اب تک 224 ارب ڈالر مل چکے ھیں ۔

یہ پوچھنا تو گناہ ھے کہ آخر یہ اربوں ڈالر جا تے کہاں ھیں ۔۔ اگر کسی نے پوچھ لیا تو سندھو دھرتی پانچ ھزار سال پرانی ھے ، سندھ کی ثقا فت ھزاروں سال پرانی ھے ، اجرک سندھ کی پہچان ھے وغیرہ قسم کی لا یعنی باتیں شروع ھو جاتی ھیں) یہ رسہ کشی ملک کو انتظامی طور پر مفلوج کر رہی ہے، بالکل ویسے ہی جیسے سوویت یونین کے آخری سالوں میں ماسکو اور سویت ریاستوں کے درمیان ہوا تھا۔

4. قرضوں کا جال اور عالمی اداروں پر انحصار

سوویت یونین نے اپنے آخری عشرے میں مغربی بینکوں سے بھاری قرضے لیے تھے تاکہ اپنا ٹوٹتا ہوا نظام چلا سکے۔ جب تیل کی قیمتیں گریں اور قرضوں کی واپسی ناممکن ہوئی، تو پورا ڈھانچہ زمین بوس ہو گیا۔

پاکستان آج اسی "ڈیبٹ ٹریپ" (Debt Trap) میں ہے جہاں پرانا قرض اتارنے کے لیے نیا قرض لینا پڑتا ہے۔ ہماری معاشی پالیسیاں اب اسلام آباد کے بجائے عالمی مالیاتی اداروں (آئی ایم ایف) کے فیصلوں کی محتاج ہیں۔

پاکستان ھر سال اپنے لیئے گئے قرضوں پر سات ارب ڈالر صرف سود کی مد میں ادا کرتا ھے اور اس سود کی ادائیگی کے لیئے نئے قرضے لیتا ھے ۔

سوویت یونین کے زوال کے وقت اس پر موجود بیرونی قرضے کے اعداد و شمار انتہائی چشم کشا ہیں۔ 1960 اور 1970 کی دہائی تک سوویت یونین ایک قرض دینے والا ملک تھا، لیکن معاشی جمود اور تیل کی قیمتوں میں کمی کی وجہ سے 1980 کی دہائی میں وہ تیزی سے عالمی بینکوں کا مقروض ہوتا چلا گیا۔

سوویت یونین پر کل بیرونی قرضے کی تفصیل درج ذیل ہے:

جب دسمبر 1991 میں سوویت یونین کا شیرازہ بکھرا، تو اس پر کل بیرونی قرضہ تقریباً **66 ارب ڈالر** سے **70 ارب ڈالر** کے درمیان تھا۔ اس قرض کا بڑا حصہ مغربی بینکوں (خاص طور پر جرمنی، فرانس اور اٹلی) اور "پیرس کلب" کے ممالک کا تھا۔

1985 میں سویت یونین پر بیرونی قرض محض 25-28 ارب ڈالر تھا، لیکن صرف 6 سالوں کے اندر (1991 تک) یہ بڑھ کر 70 ارب ڈالر تک جا پہنچا، جو کہ معاشی بدحالی کی انتہا تھی۔

قرضہ بڑھنے کی وجوہات

سوویت یونین جیسے سپر پاور کو قرض کیوں لینا پڑا؟ اس کی تین بڑی وجوہات تھیں:

خوراک کی درآمد: سوویت زراعت اتنی ناکام ہو چکی تھی کہ اسے اپنے عوام کا پیٹ بھرنے کے لیے مغرب سے اناج خریدنا پڑتا تھا، جس کے لیے ڈالر قرض لیے گئے۔

تیل کی قیمتوں میں کمی: 1980 کی دہائی میں عالمی منڈی میں تیل کی قیمتیں گر گئیں، جس سے سوویت یونین کی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ ختم ہو گیا۔

صنعتی جمود: سوویت صعنتیں جنگی سازو سامان تیار کرنے میں مصروف رہتی تھیں ، مقامی آٹو موبائل اور الیکٹرانکس انڈسٹریزعالمی معیار کی اشیاء بنانے کے قابل نہیں تھیں، جس کی وجہ سے برآمدات نہ ہونے کے برابر رہ گئیں۔

سوویت یونین کے ٹوٹنے کے بعد یہ ایک بڑا سوال تھا کہ یہ 70 ارب ڈالر کون ادا کرے گا؟

1993 میں روس نے باقاعدہ اعلان کیا کہ وہ سابقہ سوویت یونین کی تمام ریاستوں کا "وارث" ہے، لہٰذا وہ ان تمام ریاستوں کے حصے کا قرضہ خود ادا کرے گا بشرطیکہ سوویت یونین کے بیرونِ ملک اثاثے (سفارت خانے، سونا، اور جائیدادیں) بھی روس کو مل جائیں ۔ روس نے سوویت یونین کے دور کا یہ تمام قرضہ دہائیوں تک ادا کیا اور آخر کار **2017** میں بوسنیا ہرزیگووینا کو آخری قسط ادا کر کے سابقہ سوویت یونین کے ذمے موجود تمام بیرونی قرضوں سے جان چھڑائی.

دلچسپ بات یہ ہے کہ سوویت یونین کے زوال کے وقت اس کا قرضہ (70 ارب ڈالر) اس کی معیشت کے سائز کے مقابلے میں اتنا زیادہ نہیں تھا جتنا کہ آج کے ترقی پذیر ممالک کا ہوتا ہے، لیکن چونکہ سوویت یونین کی معیشت **بند (Closed)** تھی اور اس کے پاس ڈالر کمانے کا کوئی ذریعہ نہیں بچا تھا، اس لیے وہ 70 ارب ڈالر کا بوجھ بھی نہ اٹھا سکا اور ڈیفالٹ کے دہانے پر پہنچ کر ٹوٹ گیا۔

سوویت یونین کی تباہی ثابت کرتی ہے کہ **معاشی سلامتی ہی اصل قومی سلامتی ہے۔** اگر کسی ملک کی معیشت بیٹھ جائے، تو اس کی فوج، سینکڑوں جرنیل ، اس کے ایٹمی ہتھیار و میزائل ، فوجی بریفنگز ، بھیک میں ملے دو تین ارب ڈالر ،پارلیمنٹ اوراس کا آئین اسے بکھرنے سے نہیں بچا سکتے۔ پاکستان کے لیے وقت تیزی سے نکل رہا ہے۔ اگر اب بھی این ایف سی ایوارڈ کی خامیوں کو دور نہ کیا گیا، زراعت کا نظام بالکل درست نہ کیا گیا ،ٹیکس نظام میں ہزاروں ارب کی کرپشن کا خاتمہ نہ ہوا اور اشرافیہ نے اپنی مراعات کی قربانی نہ دی، تو تاریخ ہمیں بھی اسی صف میں کھڑا کر سکتی ہے جہاں سوویت یونین کھڑا ہے۔

بقا کا واحد راستہ آئینی مصلحتوں سے بالاتر ہو کر ایک سخت اور بے رحم معاشی سرجری ہے، تاکہ ملک کو قرضوں کے اس بوجھ سے نکالا جا سکے جو اسے نگلنے کو تیار ہے۔ تاریخ یہ سکھاتی ہے کہ **ریاست کی اصل طاقت اس کی معیشت ہوتی ہے۔** جب معیشت دیوالیہ ہو جائے تو سیاسی نقشے بدل جایا کرتے ہیں۔

ہر شخص جو اپنا قیمتی وقت نکال اس تحریر کو پڑھ رہا ہوگا وہ آخر میں یہ سوچنے میں حق بجانب ہوگا کہ اتنی طویل داستان کے بعد یہ تو بتایا ھی نہی گیا کہ اس تباھی کو

روکنے کا سب سے پہلا کام کیا ہونا چاہیئے --- جی بالکل پہلا کام ہی تمام مسائل کے حل کی طرف پہلا عملی قدم ہے -- تو سنئیے -- سب سے پہلے آئینی ترمیم کر کے این ایف سی ایوارڈ میں دونوں بڑے صوبوں یعنی پنجاب اور سندھ کے حصے کو کم از کم تیس فیصد کم کیا جائے اور یہ رقم بیرونی قرضوں کی واپسی کے لیئے مختص کی جائے . اس کے بعد آئ ایم ایف سے سخت شرائط پر قرض لینے کی کوئ ضرورت نہی ہو گی - اس وقت پنجاب اور سندھ دونوں کو سالانہ 42 ارب ڈالر مل رہے ہیں --- تیس فیصد کٹوتی سے تقریبا 12 ارب ڈالر وفاق کو مل جائیں گے ، وفاق سالانہ 7 ارب ڈالرقرضوں پر جو سود ادا کرتا ہے اس کے لیئے نئے قرضوں لیئے جاتے ہیں وہ بھی باآسانی دے سکے گا اور آئ ایم ایف سے جان چھوٹ جائے گی ، دفاعی بجٹ کے لیئے با آسانی اضافی تین سے پانچ ارب ڈالر بھی مل جایا کریں گے - ساتھ ہی چین اور عربوں سے بھیک بھی مانگنی نہی پڑے گی - آئ ایم ایف کے مطالبات کہ پیٹرول ڈیزل کی قیمتیں بڑھاؤ ، بجلی اور گیس کی قیمتیں بڑھاؤ ، عوام پر نت نئے ٹیکس لگاؤ ، فلاں فلاں چیزوں کی قیمتیں بڑھاؤ ان سب سے آزادی مل جائے گی - اب یہ کرے گا کون ؟ وہی کریں گے جو سینے پر ہاتھ مار مار کر آئے دن ارشاد کرتے ہیں کہ ہم ریاست ہیں ، ہم ریاست ہیں جو ہم سے ٹکرائے گا اس کی لت بھن ڈے سوں یعنی اس کی ٹانگیں توڑ دیں گے --

آرٹیکل 160(3A) میں فوری ترمیم کر کے پاکستان کو بچاؤ ..

اپنی مرضی کی آئینی ترامیم تو ایک دن میں کرا لی جاتی ہیں اب ریاست کو عوام کے لیئے بھی کچھ تو کرنا پڑے گا --

کچھ تو کرو جناب ریاست عالی مقام --

تین وزیر اعظم اور تین بابا جی کے ٹھلو --- جی ایچ کیؤ کے کارنامے ---

ابو حیان سعید
15 اپریل 2026

ایک محترمہ تھیں اقتدار کی شدید بھوک تھی ان میں ، شادی بھی ایسے بندے سے کی جو پہلے ھی دن سے بڑی پلاننگز کر رھا تھا ، شروع میں ھر کام میں 10 پرسنٹ کا مطالبہ ، پرائم منسٹر ھاؤس کی سخت ھدایات تھیں کہ ھر فائل مرد اول کو بھیجی جائے ھر جائز کام پر دس پرسنٹ اور گھپلے والے کاموں میں تیس پرسنٹ پر معاملہ ھوتا تھا ، ایک چین آف ھوٹلز سے چالیس فیصد کی پارٹنر شپ مانگی گئ ، انکار کی صورت میں ٹانگوں پر بم باندھ کر اسٹینڈرڈ چارٹرڈ بینک لایا گیا اور پچاس ملین ڈالرز دبئ کے بینک میں منتقل کروائے گئے چونکہ اس زمانے میں بین القوامی ٹرانزیکشنز میں ٹی ٹی یعنی ٹیلی گرافک ٹرانسفر سسٹم استعمال ھوتا تھا تو بعض اوقات کئ کئ گھنٹے بھی لگ جاتے تھے بھرحال شام چار بجے کام پورا ھوا تو ٹانگوں پر بم بندھے ھوئے مسٹر ھاشوانی کو چھوڑا گیا ۔
پھر اقتدار کی بھوکی بےنظیر کے دوسرے دور میں 1994 میں مرد اول زرداری نے بجلی پیدا کرنے والی کمپنیوں سے من مانی کرنے کے لیئے اربوں روپے رشوت لی ۔ ماہرین اور ناقدین کا کہنا ہے کہ ایسے یکطرفہ اور ملک دشمن معاہدے اس وقت تک ممکن نہیں جب تک فیصلہ سازوں کو بھاری رشوت یا کک بیکس نہ دی گئی ہوں ۔ بے نظیر اور زرداری کھلا کھاؤ ننگا نہاؤ پر عمل پیرا تھے اور جی ایچ کیؤ وش ملے وش ملے پر رقص کر رھا تھا ۔

ایک پاکستانی وزیر اعظم تھا جو تین بار وزیر اعظم بنا ۔ دنیا بھر میں گھومنا پھرنا منی لانڈرنگ کے پیسوں سے جائیدادیں خریدنا ، جو کھربوں روپے پاکستانی بینکوں سے قرضے لے کر کاروبار کر کے کھربوں روپے کمائے اور بینکوں سے سارا پیسہ معاف کروایا اور تمام پروجیکٹس پر خوب رشوتیں کھائیں اور سارا حرام کا پیسہ باھر منتقل کیا ۔ یہ وزیر اعظم کئ ملکوں جا جا کر وھاں سرمایہ کاروں کو پاکستان میں سرمایہ کاری کرنے کی دعوت دیتے تھے -- **تمام سرمایہ کار جن کو پاکستانی سفارت خانہ جمع کرتا تھا ھنستے تھے اور ان سے کہتے تھے کہ آپ نے اپنا سارا پیسہ ملک سے باھر منتقل کر دیا**

ھے آپ خود اپنے ملک میں سرمایہ کاری کیوں نہی کرتے ؟ ایک بار ایک گستاخ سرمایہ کار بولا کہ آپ ھمارا پیسہ بھی لوٹنے کا پروگرام بنا رھے ھیں۔

پھر جی ایچ کیو اور آئ ایس آئ کو جب بے بھاؤ کی سننے کو پڑتی کہ " تھارے کنے کوئ صاف سھترا چھوکرا نہی ھے حکومت کروانے کے لیئے ھر بار ان حرام کے جنوں کو لے آتے ھو موتنے کے واسطے" تو آئ ایس آئ کے عالی دماغوں نے بڑی سوچ بچار کے بعد ایک ساٹھ سالہ چھوکرے کو پالش مالش کر کے ، ادھر اودھر سے بلیک مارکیٹیئے ، قبضہ مافیا کنگ ،کنوارے بڈھوں اور کھیلے کودے لوٹا گینگ کے درجنوں افراد کو ساٹھ سالہ چھوکرے کی اصلی تے وکھری تانگہ پارٹی میں شامل کروا کر دس سال پورا زور لگا کر صاحب اقتدار کروایا ۔ اب تو ھرکام دو جرنیل اور فرح گوگی کر رھے یعنی سیاست کو جرنیل ھینڈل کر رھے تھے اور فرح گوگی پنجاب سے پیسے کمانے کی تیکنیک پوسٹنگ، ٹرانسفرکا ایک کارنامہ انجام دے رھی تھی کہ دنیا کی معلوم تاریخ میں بڑے پیسے کمانے کی ایسی تیز رفتار تیکنیک شاید ھی کبھی استعمال ھوئ ھو ! یعنی تین سال میں 650 ارب روپے اس طرح کمائے کہ کوئ ثبوت نہی کوئ گواہ نہی -- اور پھر ان پیسوں کو لاھوری منی ایکسچینج گینگ سے پچاس، سو ڈالرزاور پچاس یورو کی نئ سیریز کے نوٹوں میں تبدیل کروا کر سوٹ کیسوں میں ڈالکر ملک ریاض کے پرائیویٹ جیٹ میں پہلے دبئ اور وھاں سے امریکہ جا کر ایک سپر مارٹ خریدا ، دو عدد بڑی کمپنیوں کے شیئرز خریدے ، ایک چھوٹی کروز کمپنی فرانس میں خریدی ، اب سننے میں آیا ھے کہ ھالینڈ میں ایک اچھا ہاکی کلب بھی خریدنے کی بات چیت ھو چکی ھے اور جب پاکستان میں موجود مرشدہ کے بیٹے ابراھیم مانیکا اپنا حصہ مانگنے پیچھے پیچھے فرح گوگی کے پاس دبئ پہنچے تو ٹکا سا جواب ملا کہ جب تم ، زلفی چکنا ، شہزاد اکبر توشہ خانے کی گھڑیاں ، سونے کے کف لنکس ، سونے کی بنی ھوئ پرچ پیالی ، سونے کے تاروں سے بنا ھو نایاب ھینڈ بیگ اور کئ چیزیں بیچ کر اربوں روپے کما رھے تو میں نے اپنا حصہ نہی مانگا تھا تو اب تم کس بات کا حصہ مانگنے آ گئے ھو اور اگر دوبارہ آئے تو کسی شارپ شوٹر کو لاکھ دو لاکھ ڈالر دے کر تمھاری دعائے خیر کروا دوں گی اس لیئے اپنی شکل گم کرو تو ابراھیم مانیکا بابا جی کا ٹھلو لے کر واپس آگئے ۔

یہ جی ایچ کیؤ کی وطن دوستی کے ماضی کے کارنامے ھیں اور نئے کارنامے تو ایسے ھیں کہ انا للہ وانا الیہ راجعون ---

بندر اور پاکستان --- دو جہازوں کی کہانی --

ابو حیان سعید

16 اپریل 2026

100 ارب ڈالر پاکستان سے باہر منتقل ہوئے -- وزیر داخلہ محسن نقوی --

ایک مسافر طیارہ گر کر تباہ ہو گیا۔ طیارے میں سوار ایک بندر کے علاوہ تمام مسافر جاں بحق ہو گئے۔
حادثے کی تحقیقات ہوئیں،
بلیک باکس سے معلومات اکٹھی کی گئیں تاہم جہاز تباہ ہونے کی وجوہات کا پتہ نہ چلایا جا سکا۔
تھک ہار کر اس نتیجے پہ پہنچا گیا کہ بندر کو train
کر کے اس قابل بنایا جائے کہ وہ تحقیقاتی کمیٹی کی مدد کرسکے۔
چند ہفتوں کی تگ و دو کے بعد بندر اس قابل ہو گیا کہ اشاروں کی زبان میں کسی بھی سوال کا جواب دے سکے۔
تحقیقاتی کمیٹی کے سامنے بندر کو پیش کیا گیا۔
ایک آفیسر نے بندر سے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے اشاروں میں پوچھا کہ جب جہاز تباہ ہوا تو مسافر کیا کر رہے تھے؟
اشاروں میں جواب ملا کہ کچھ سو رہے تھے، کچھ بات چیت میں مصروف تھےاور کچھ میگزین وغیرہ پڑھ رہے تھے۔
کمیٹی کے اراکین کا حوصلہ بندھا۔
دوسرا سوال ہوا کہ ائیر ہوسٹس کیا کر رہی تھیں۔
وہ میک اپ میں مصروف تھیں۔
کمیٹی کے اراکین نے معنی خیز نظروں سے ایک
دوسرے کو دیکھا۔
ایک اور سوال ہوا۔۔
جہاز تباہ ہونے سے پہلے پائلٹ کیا کر رہے تھے؟
جواب ملا وہ سو رہے تھے۔۔
تمام اراکین ششدر رہ گئے۔۔
کچھ لمحوں بعد ایک اور سوال ہوا۔

آپ اس وقت کیا کر رہے تھے؟
بندر نے فخریہ انداز سے میز پہ پڑی عینک اٹھا کر پہنی، چہرے پر کلر سمائل بکھیری
اور دبنگ انداز
میں جواب دیا
میں اس وقت جہاز چلا رہا تھا ۔

پاکستان کے طاقتور ترین انسان کے منہ چڑھے سالے صاحب اور وزیر داخلہ محسن نقوی سے پوچھا جانا چاہیئے کہ جب 100 ارب ڈالر پاکستان سے باھر جا رہے تھے تو آپ کیا کر رہے تھے ؟ ایسا لگتا ھے وہ پنجاب میں کسی نئے جہاز میں کچھ خاص الخاص کاروائیوں کی حفاظت کر رہے ھوں گے ۔

SIFC کی مچھلیاں اور بکریاں ۔

ابو حیان سعید
18 اپریل 2026 .

چند روز قبل میں ایک انگریزی کتاب کو الٹا کر کے صفحات الٹ رہا تھا پاس ھی بیٹھا میرا ساڑھے تین سالہ پوتا مجھ سے زور سے کہنے لگا دادا آپ نے بک الٹی پکڑی ہوئ ھے -- اور کتاب کو سیدھا کر کے بولا ایسے پکڑیں --
میں اس کا ٹیسٹ لے رھا تھا کہ وہ الٹی اور سیدھی طرف کو سمجھ سکتا ھے یا نہی ---
اس پہلے ھی میں نے اس کے ساتھ کئ بار انگریزی B کو بولا کہ یہ Y ھے تو وہ فورا بولا دادا کیا ھو گیا ھے آپ کو یہ B ھے ، اسی طرح اردو ج کو میں نے کہا کہ یہ ف ھے تو بولا دادا آپ کو کچھ نہی آتا، میں آپ کو سکھاتا ھوں ۔
اس طرح کے بچوں کے لئے مخصوص آئ کیو ٹیسٹ میں اس کے ساتھ گپ شپ میں کرتا رہتا ھوں ۔ ایک بار میں نے اسے کہانی سنانی شروع تو درمیان میں کہا کہ وہ جو بکری تھی وہ پانی میں تیرتی رہتی تھی ، تو ایک زوردار " ہیں " کے ساتھ بولا بکری کوئ مچھلی ھوتی ھے جو پانی میں تیرتی رہتی ھے۔ کیونکہ گھر میں رکھے ایکوریم میں وہ مچھلیوں کو دیکھتا رہتا ھے اور اپنے ننھیال کے قریب پلی گئ بکریوں سے بھی اسے بہت دل چسپی ھے ۔
آپ سب یہ سوچ رھے ھوں کہ آج کا موضوع مچھلیاں ھیں یا بکریاں ؟
ھم پاکستانی اکثر چیزوں کو الٹا دیکھنے اور پکڑنے کی کوشش کرتے ھیں اور کم عقلی کی باتوں میں پوری کائنات میں سر فہرست ھیں ۔ گزشتہ تیس سالوں سے پاکستانی صعنتکار بنگلہ دیش ، سری لنکا ، کمبوڈیا ، تھائ لینڈ وغیرہ جا چکے ھیں اور وھاں اپنا اربوں ڈالرز کا کاروبار کر رھے ھیں ۔ ان تیس سالوں میں کسی وزیر اعظم ، صدر ، آرمی چیف نے ان سے پوچھا ھے کہ آپ لوگ پاکستان سے کیوں جا رھے ھیں ؟
بلکہ ھمارےتمام وزرا اعظم پاکستان سے باھر جا جا کر ان ممالک کے سرمایہ کاروں سے کہتے ھیں آپ پاکستان میں سرمایہ کاری کریں کئ جگہ منہ پھٹ قسم کے لوگ ھمارے اکابرین کے منہ پر کہہ دیتے ھیں آپ کا اپنا اربوں ڈالرز کا سرمایہ پاکستان سے باھر ھے پہلے وہ اپنے ملک واپس لے جائیں ، آپ کے اپنے درجنوں صعنتکار ملک چھوڑ کر اپنی جان مال عزت بچا کر باھر جا چکے ھیں تو آپ کس منہ سے ھمیں اپنے ملک میں سرمایہ کاری کرنے کی دعوت دے رھے ھیں ، ایک بار اسپین میں ایک منہ

پھٹ بندے نے ھمارے تین بار کے وزیراعظم کے منہ پر ھی کہہ دیا کہ آپ اپنے ملک کو لوٹنے کے بعد ھمارے پیسے بھی لوٹنا چاہتے ھیں۔

کئ سال پہلے SIFC نامی ادارہ جی ایچ کیو کی سرپرستی میں بنا تھا دعوئ کیا جا رھا تھا SIFC سو ارب ڈالر کی ابتدائ سرمایہ کاری لا رھا ھے --- اس SIFC کا باقاعدہ دفتر پرائم منسٹر ھاؤس میں قائم کیا گیا اور درجنوں افراد بھرتی کیئے گئے تھے اربوں روپے تنخواھوں ، بڑی گاڑیوں ، شاھانہ مراعات وغیرہ میں خرچ ھو رھے ھیں ، عملہ صبح آتا ھے چائے کافی سینڈوچز سے لطف اندوز ھوتا ، دو چار فائلز آگے پیچھے ھوتی ھیں پھر شاندار فائیو اسٹار لنچ ھوتا ھے آپ کو تو پتا ھی ھوگا پاکستان میں ھر سرکاری ملازم ظہر کی نماز کئ گھنٹے تک پڑھتا ھے ، پھر چار بجےایک میٹنگ ھوتی ھے اور میٹنگ کے بعد درجنوں افراد پر مشتمل عملہ لش پش گاڑیوں میں سوارھو کراپنے اپنے گھروں کو جاتا ھے ۔
کوئ حضرت بتائیں گے کہ جون 2023 میں اپنے قیام سے اپریل 2026 تک SIFC کتنی سرمایہ کاری لایا --- آپ بھی اپنا جواب ضرور دیجیئے گا لیکن میرا جواب ھے " نل بٹا سناٹا " یعنی بہت بڑا زیرو ۔
جن عقل مندوں نے ملکر SIFC بنایا ھے کیا ان عظیم لوگوں نے اس بات پر کھبی غور و فکر کیا ھے کہ درجنوں پاکستانی صنعتکار ملک سے اپنا کاروبار و سرمایہ باھر کیوں لے گئے ؟ اور جب آپ کا اپنا سرمایہ کار ملک میں کام کرنے کو تیار نہی ھے تو غیر ملکی سرمایہ کار کیوں آئے گا ؟
اور جن لفافیوں سے آئ ایس پی آر نے موٹے موٹے لفافے دے کر اس SIFC کی تعریفوں کے بڑے بڑے پل بنوائے تھے وہ پل تو ایک گدھا گاڑی کا بوجھ بھی نہی اٹھا سکے ۔

حالیہ ایران امریکہ جنگ کے بعد چین اور روس کے دباؤ پر پاکستان کی جانب سے کی گئ سفارتی طور پر کامیاب وقتی جنگ بندی کی کوششوں کے بعد ایک بار پھر آئ ایس پی آر اپنے پنٹروں کے ذریعے بالواسطہ طور پر اربوں کھربوں ڈالرز کی آمد کی خوش خبریاں سنا رھا ھے۔ پتا نہی ان کو ڈالروں سے اتنا عشق کیوں ھے ؟ عوام کو تو کھبی ایک ڈالر دیکھنے کو نہی ملا ؟
جو بات مجھ جیسے کوڑھ مغز کے دماغ کو بار بار سوچنے اور بات کرنے پر اکساتی ھے وہ اتنے بڑے بڑے تمغوں اور ستاروں والے عظیم الشان جرنیلوں کے دماغ میں

کیوں نہی آتی کہ آخر جن وجوھات کی بنا پر پاکستانی صعنت کار ملک سے جا چکے هیں اور بہت سے جانے کی تیاری کر رهے هیں ان وجوھات کا تدارک کیوں نہی کیا جا سکا ؟ کیا ان ننھے چوچے جرنیلوں کے علم میں نہی هےکہ پاکستانی حکمرانوں نے کس کس طرح منی لانڈرنگ کی هے ؟

ایک معصوم بچہ فرق کر سکتا هے مچھلی پانی میں تیرتی هے اور بکری زمین پر چلتی هے اور B کو Y نہی پڑھا جاتا --!

آپ SIFC جیسے درجنوں ادارے بنا ؤ جب تک بنیاد درست نہی هوگی -آپ بین هی بجاتے رهو گے-- ننھے چوچے --

اشاروں اشاروں میں دل لینے والے ،بتا یہ ھنر تو نے سیکھا کہاں سے ؟

ابو حیان سعید

21 اپریل 2026

ایک بندہ ہیتھرو لندن ائیر پورٹ پر جیسے ہی کلیرئنس کے لئیے اترا۔ تو سامنے کھڑی آفیسر کو دور سے گرین پاسپورٹ دکھایا۔ اس نے فورا اشارہ کیا اور وہ بندہ سب سے آگے۔ مسافر پریشان تھے ۔ کہ یہ کون شخص ہے جو آخر میں کھڑا تھا اور اسے سب سے آگے بلا لیا ۔ ایک کورین حیرت انگیز نگاہوں سے دیکھ رہا تھا تو ایک فرینچ اسے کوئی سیلبریٹی سمجھ رہا تھا ۔ لیکن ایک امریکی لائن توڑنے پر چلانے لگا۔ کہ who is this تو آفیسر نے کہا سر یہ اس ملک کے باشندے ھیں جو دنیا کے فیصلے کراتے ہیں۔ امریکن نے فورا پوچھا Is He Pakistani تو جواب آیا جی بالکل ۔ اس نے گلے لگایا سب لوگ لائن توڑ کر آٹو گراف لینے لگے۔ ائیر پورٹ کا ماحول دیدنی تھا ۔ فضا پاکستان زندہ باد کے نعروں سے گونج اٹھی ۔ زندگی میں پہلی بار اس بندے کو پاکستانی ہونے پر فخر محسوس ہوا ۔ شکریہ جناب فیلڈ مارشل سر و جناب وزیر اعظم صاحب کہ آپ دونوں اپنے ملک کی تباھی و بربادی پر کوئ توجہ نہی دیتے لیکن دنیا کو تباھی سے دوچار کرنے پر ٹرمپ کو نوبل انعام کے لیئے نامزد کر چکے ھیں ۔ شکریہ نواز شریف جس نے اس سارے امن پلان کا ڈیزائن جاتی امرا میں زیر زمین بنکر میں چھپ کر بنایا ۔ شکریہ مسٹر زراری جنھوں نے ٹنڈو الہ یار جا کر اس پلان کے لیئے جنگل میں چھپ کر تپسیا کی ،شکریہ بلاول زرداری کہ Dismiss from Islamabad کا سگنل ملتے ھی کراچی جا کر میئر کراچی مرتضی وھاب سے مشرق وسطی پر تفصیلی بریفنگ لی ۔ باقی رھے خان اعظم عمران خان جو فی الحال 2030 تک جی ایچ کیو تو کیا دنیا میں کسی کے کام کے نہی رھے ، ان کی آنکھ میں پتا نہی کس سور کا بال آگیا ھے ---

اب ھماری دونوں جانب سے کالی زبان اگر کھل گئ تو 2030 سے پہلے ھی موجودہ رجیم چینج اور سابقہ خان رجیم والے پرلوک سدھار چکے ھوں گے اسی لیئے ھم صرف --- اشاروں اشاروں میں دل لینے والے ، بتا یہ ھنر تو نے سیکھا کہاں سے -- سن رھے ھیں --

ریاست: سراب اور حقیقت (ایک واضح انتباہ)

ابو حیان سعید

26 اپریل 2026

پاکستان اس وقت اپنی تاریخ کے اس نازک موڑ پر کھڑا ہے جہاں "ریاست" کے معنی اور مفہوم ہی بدل دیے گئے ہیں۔ جس ملک کی بنیاد ایک نظریے اور آئینی عہد پر رکھی گئی تھی، آج اسے چند مفاد پرست ٹولوں اور فکری مغالطوں کی بھینٹ چڑھایا جا رہا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ "ریاست" کی گرد گردان بند کی جائے اور اس کی اصل حقیقت کو بے نقاب کیا جائے۔

ریاست کے ستون اور موجودہ انحراف

سیاسیات کی رو سے ریاست چار ستونوں پر کھڑی ہوتی ہے: مقننہ، انتظامیہ، عدلیہ اور میڈیا۔ لیکن آج پاکستان میں یہ چاروں ستون لرز رہے ہیں۔

مقننہ: جو عوامی امنگوں کی ترجمان ہونی چاہیے تھی، وہ دہائیوں سے انگوٹھا چھاپ افراد اور اب ان کی نااہل و حرام خور اولادوں کا سرکس بن چکی ہے۔

عدلیہ: جس کا کام انصاف فراہم کرنا تھا، آج وہ اس قدر دباؤ کا شکار ہے کہ اس کے بارے میں سچ بولنا "توہینِ عدالت" قرار پاتا ہے۔

انتظامیہ اور مقتدرہ: سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ جب "چوکیدار" خود کو مالکِ مکان سمجھ لے، تو نظام کا توازن بگڑ جاتا ہے۔ مقتدرہ یعنی جی ایچ کیؤ کبھی آئی جے آئی بناتی ہے کھبی سارے کرپٹ مافیاز کو عمران خان کی گود میں ڈال دیتی ھے تو کبھی فارم 47 کی شیطانی طاقت دکھا کر سڑے ہوئے گندے انڈوں کو اقتدار کے ایوانوں میں فٹ کرتی ہے، اور پھر "ننھی کلی" بن کر معصومیت کا لبادہ اوڑھ لیتی ہے۔ جرنیلوں سے زیادہ معصومیت کا ڈرامہ تو دیبا اور زیبا بھی نہی کر سکتی تھیں۔

اب رہ جاتا ھے پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا ، تو دونوں مداری کی ڈگڈگی پر ناچنے والے بندر سے بھی بد تر ھے۔

"پالیشی" کلچر: ریاست کا نیا دشمن

آج کل ایک نیا طبقہ ابھرا ہے جسے "پالیشی مافیا" کہا جا سکتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایک محکمے کو "ریاست" قرار دے کر اس کا اندھا دفاع کرتے ہیں۔ انہیں یہ علم ہی نہیں کہ ریاست کسی محکمے، وردی یا عمارت کا نام نہیں، بلکہ ریاست آئین، عدلیہ، پارلیمان اور عوام کے مجموعے کا نام ہے۔ یہ پالیشی حضرات حقیقت میں ریاست کے سب سے بڑے غدار اور دشمن ہیں کیونکہ یہ آئین اور عوامی حاکمیت کے ہر جہت کے بدخواہ ہیں۔

سویت یونین کا سایہ اور "انجری ٹائم"

ہمیں تاریخ سے سبق سیکھنا ہوگا۔ سویت یونین کے پاس ایٹمی ہتھیاروں کے ڈھیر تھے، جدید ترین جاسوسی نظام تھا اور دنیا کی طاقتور ترین فوج تھی، مگر وہ ریت کی دیوار ثابت ہوئی۔ کیوں؟ کیونکہ اس نے اپنے عوام کے ساتھ "عمرانی معاہدہ" توڑ دیا تھا۔ جب معیشت اشرافیہ کی باندی بن جائے اور عوام کا ریاست پر اعتبار ختم ہو جائے، تو جغرافیائی سرحدیں نہیں بچتیں۔

پاکستان اس وقت فٹ بال کے میچ کے "انجری ٹائم" (اضافی وقت) میں کھیل رہا ہے۔ ہمارے پاس بمشکل

10 سے 15 سال کی مہلت ہے۔ اگر اس دوران ہم نے عدل، حقیقی پارلیمان اور آئینی بالادستی کی طرف واپسی نہ کی، تو معاشی دیوالیہ پن اور سماجی انتشار اس ڈھانچے کو زمین بوس کر دے گا۔

حاصلِ کلام: نجات کا راستہ

نجات کا راستہ کسی نئے محکمے کی تشکیل یا "گندے انڈوں" کی نئی پیکنگ میں نہیں، بلکہ اس اصل نظام کی طرف واپسی میں ہے جس کا وعدہ آئینِ پاکستان نے کیا تھا۔ ایک ایسی ریاست جہاں قانون کی نظر میں سب برابر ہوں اور اقتدار کا سرچشمہ صرف اور صرف عوام ہوں۔

یہ تحریر ان لوگوں کے لیے ایک سخت انتباہ ہے جو اقتدار کے نشے میں یہ بھول چکے ہیں کہ ریاستیں کسی کے "سجدہِ سہو" سے نہیں بلکہ صرف اور صرف نظام **انصاف** سے چلتی ہیں۔ اگر اب بھی اس نظام کی جراحی (Surgery) نہ کی گئی، تو تاریخ کا فیصلہ بہت بے رحم ہوگا۔

یاد رکھیں: کفر کا نظام چل سکتا ہے، مگر ظلم کا نہیں!

غم کا بھنور اور ساحل کی پکار ... انڈے اور مرغے !

ابو حیان سعید
27 اپریل 2026

نوآبادیاتی وراثت اور نیا رخ

پاکستان میں بظاہر برطانوی راج ختم ہو گیا، لیکن مفکرین کے مطابق اس نے محض اپنی کھال بدلی ہے۔ جسے ہم آج **"نیا نوآبادیاتی نظام" (Neo-colonialism)** کہتے ہیں، اس کی جڑیں مقامی سول و عسکری قوتوں کے اس گٹھ جوڑ میں پیوست ہیں جو 1947ء کے بعد بھی برقرار رہا۔ انگریزوں نے جس "کالے صاحب" اور وفادار طبقے کو جنم دیا تھا، آج کی ملٹری مقتدرہ اور سیاسی مافیا اسی کا تسلسل ہے۔ ان کا مفاد مقامی عوام کے بجائے عالمی مالیاتی اداروں اور بیرونی طاقتوں سے جڑا ہے، جس کی وجہ سے پالیسی سازی عوامی فلاح کے بجائے " مافیا کے تحفظ" کے گرد گھومتی ہے۔

عسکری مقتدرہ کی خود سری: "ریاست میں ہوں" کا زعم

اس نظام کی سب سے خطرناک جہت **عسکری مقتدرہ کی خود سری (Institutional Arrogance)** ہے۔ جب کوئی ادارہ اپنی پیشہ ورانہ حد عبور کر کے خود کو ملک کی تقدیر کا واحد وارث سمجھنے لگے، تو وہ آئین اور عوامی مینڈیٹ کو محض ایک رکاوٹ تصور کرتا ہے۔ یہ خود سری اسے اس وہم میں مبتلا کر دیتی ہے کہ وہ سیاست، معیشت اور معاشرت کے پیچیدہ مسائل کا حل "حکم ناموں" کے ذریعے نکال سکتا ہے۔ اسی زعم میں عوامی غصے کو دبایا جاتا ہے، عدلیہ پر اثر انداز ہوا جاتا ہے اور میڈیا کی زبان بندی کی جاتی ہے، جس کا نتیجہ بالآخر ریاست اور عوام کے درمیان ایک گہری خلیج کی صورت میں نکلتا ہے۔

ملٹری کیپیٹلزم: معاشی اجارہ داری

موجودہ بحران کی ایک بڑی وجہ وہ معاشی سلطنت ہے جسے ماہرین **"ملٹری کیپیٹلزم" (Military Capitalism)** کا نام دیتے ہیں۔ جب دفاعی ادارے کھاد، سیمنٹ، بینکنگ ، فوڈ بزنس اور ریئل اسٹیٹ جیسے خالص تجارتی شعبوں میں براہِ راست فریق بن جائیں، تو ریاست کا معاشی ڈھانچہ **"ایکسٹریکٹیو" (Extractive)** بن جاتا ہے۔ یعنی یہ نظام ملک سے نچوڑتا تو بہت کچھ ہے لیکن بدلے میں استحکام دینے میں ناکام رہتا ہے۔ اس

کمرشلائزیشن نے ادارے کی پیشہ ورانہ توجہ کو متاثر کیا ہے اور اسے اپنے معاشی مفادات کے تحفظ کے لیے سیاسی جوڑ توڑ اور "ہائبرڈ نظام" بنانے پر مجبور کر دیا ہے۔

SIFC اور شارٹ کٹس کی ناکامی

نظام کو سہارا دینے کے لیے **SIFC** جیسے منصوبے متعارف کرائے گئے، جن کا مقصد زراعت اور معدنیات جیسے شعبوں کو **عسکری مقتدرہ** کے براہِ راست کنٹرول میں دے کر غیر ملکی سرمایہ کاری لانا تھا۔ لیکن اربوں روپے کی تشہیر اور یاداشتِ مفاہمت (MoUs) کے باوجود حقیقت تلخ ہے۔ عالمی سرمایہ کار کسی ایسے ہائبرڈ ماڈل پر بھروسہ نہیں کرتا جہاں قانونی تحفظ اور سیاسی استحکام نہ ہو۔ **عسکری مقتدرہ** کی یہ خود سری کہ وہ بزنس چلانے کا تجربہ نہ ہونے کے باوجود ہر شعبے کو سنبھال سکتی ہے، "ون ونڈو" آپریشن کو ایک سراب بنا چکی ہے۔

نفسیاتی بلے باز اور انارکی کا خطرہ

پاکستان کی موجودہ صورتحال اس **"نفسیاتی بلے باز"** جیسی ہے جو تماشائیوں کے شور اور اپنی ساکھ بچانے کے دباؤ میں ہر گیند پر چھکا مارنے کی کوشش میں کریز سے باہر نکل آتا ہے۔ یہ وہ "گیمبل" یا جوا ہے جہاں ریاست کا آئین، قانون اور اخلاقیات داؤ پر لگی ہوئی ہیں۔ جب بیانیے ٹوٹ جائیں، معیشت وینٹی لیٹر پر ہو اور اداروں کا آپسی ٹکراؤ عروج پر ہو، تو نظام **"سسٹمٹک کولیپس" (Systemic Collapse)** کی طرف بڑھتا ہے۔

آج کا نوجوان (Gen Z) ڈیجیٹل دور کی بدولت اس "طلسم" کو توڑ چکا ہے۔ اب خوف اور پروپیگنڈے کے ذریعے حکمرانی ممکن نہیں رہی۔ جب مکالمہ ختم ہو جائے اور انصاف کی امید دم توڑ دے، تو تاریخ کا اگلا باب **"انارکی"** ہوتا ہے ایک ایسا خوفناک وقفہ جہاں پرانا نظام دفن ہو جاتا ہے اور نیا ابھی پیدا نہیں ہوا ہوتا۔

حاصلِ کلام: بھنور کا انتخاب

پاکستان کا المیہ یہ ہے کہ نجات کے راستے ہمیشہ موجود تھے، لیکن **عسکری مقتدرہ** نے اپنی انا، مراعات اور ہوسِ اقتدار کی خاطر ہمیشہ غلط راستوں کا انتخاب کیا۔ یہ نظام اب مرمت کے قابل نہیں رہا، کیونکہ اس کی بنیادیں عوامی اعتماد سے خالی ہو چکی ہیں۔

جب تک موجودہ نظام "مرغوں" سے انڈے لینے کی کوشش کرتا رہے گا، تب تک انڈوں کی ٹوکریاں خالی ہی رہیں گی، چاہے ڈسپلن کتنا ہی سخت کیوں نہ ہو!

ناصر کاظمی کا یہ شعر اس پوری صورتحال اور مقتدرہ کی ضد کی بہترین عکاسی کرتا ہے:

کچھ لوگ خود ہی پہنچےغم کے بھنور میں چل کر

کنارہ بھی سامنے تھا پکارا بھی جا رہا تھا